© rasailojaraid.com

انسداد جرم کے لیے پیشگی تدابیر سوچنے اور انسدادی اقدام کرنے میں کوتاہ عمل رہے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جرائم کی رفتار پر کوئی موثر روک تھام نہیں ہو سکی ہے۔ انسان کی افتادِ طبع کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ جب جرم اپنی قبیح شکل میں رونما ہو جاتا ہے تو وہ اس کے سدِباب کے بارے میں سوچنا شروع کرتا ہے۔ سوچ کا یہ مرحلہ ابھی ناتمام ہوتا ہے کہ ارتکاب جرم کی نئی اور قبیح تر صورت سامنے آ جاتی ہے۔ اس طرح وہ برائی کے تعاقب میں کم از کم دو قدم پیچھے رہتا ہے۔

چند سال پہلے تک مستورات کو سرِعام برہنہ کر کے رقص کرانے کا تصور ہمارے ہاں نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کی ابتدا نواب پور کے واقعہ سے ہوئی، اور اب ایسا گھناؤنا جرم ایک معمول بنتا جا رہا ہے۔ اسی طرح میت کو قبر سے نکال کر اس کے ساتھ بدکاری کی مثال ہمارے علم کی حد تک برصغیر کی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مگر انسانی ذہن اتنی پستی تک گیا۔

ایسی قبیحات کا پیشگی تصور کرنا، اور ارتکابِ جرم سے پہلے موثر انسداد اور سزا کا تعین کرنا انسانی فکر کے لیے ممکن نظر نہیں آتا۔ جرم و برائی کے انسداد کے لیے نیکی کو برائی سے دو قدم آگے آنا پڑے گا۔ بھلائی کی اس پیش قدمی کی ایک صورت ہے کہ انسان اپنے خالقِ حقیقی کی عطا کردہ راہ نمائی قبول کرے۔ شیطانی فکر کا توڑ رحمانی راہ نمائی کے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن رحمانی ہدایت کو اساطیر الاولین قرار دے کر ایک طرف رکھ دیا گیا ہے۔ مروجہ قانونِ جرم و سزا کی ناکامی کے پیشِ نظر قدیم کی طرف رجوع کی ضرورت کا اظہار جسٹس کارنیلیس ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"صاف بات ہے کہ جرائم کی بڑھتی ہوئی رفتار کو روکنے کے تمام اقدامات ناکام ہو چکے ہیں۔ لہٰذا ان اقدامات کے بارے میں نئے سرے سے غور کی ضرورت مسلمہ ہے۔ اس بارے میں قدما کے تجربات کو "قدامت" کے طعنہ کے تحت مسترد کر دینا مناسب نہیں"۔ (۱)

زندگی میں تسلسل پایا جاتا ہے۔ ماضی سے بیزاری کو فکر کی بنیاد بنا لینا کسی بھی طرح معقول نہیں ہو سکتا۔ انسانی ترقی کی "معراج" یہ ہے کہ آج بھی وہ رنگ و نسل کی بنیاد پر قتل و غارت کرتا ہے۔ ہوس کی تکمیل کے سارے مواقع کے باوجود زنا بالجبر کرتا ہے۔ ساری آسایش مہیا ہونے کے باوجود دوسروں کے مال و متاع پر ڈاکے ڈالتا ہے۔ مُردوں کو جلاتا ہے، پیشاب پیتا ہے اور سرِعام برہنہ پھرتا ہے۔ پستی کی اس سطح پر رہ کر قدامت پسندی پر طنز کسی طرح زیبا نہیں۔ قدیم روایات و تعلیمات میں اگر کوئی قابلِ قدر چیز ملتی ہے تو اسے قصۂ ماضی قرار دے کر رد کرنا درست نہیں۔ ماضی سے تعصب غیر معقول ہے۔ یہ فکر کی بلندی نہیں، پستی ہے۔ صحت مند فکر ماضی کے تجربہ سے استفادہ کر کے مستقبل کے لیے راہ متعین کرتی ہے۔ آج جبکہ انسداد جرم کی کوششیں اس کی افزایش کا سبب بن گئی ہیں تو اس بات کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضرورت ہے کہ ماضی کی روایات کی روشنی میں ہی جرم و سزا کے مسئلہ کا حل تلاش کیا جائے۔

عدالتی دائرۂ کار اور طریق کار

جرم کی تعریف کے سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:

جرم و سزا کے سلسلے میں جرم کی تعریف، تفتیش، سماعت، اور سزا کی نوعیت بے حد اہم ہیں۔ جرم کی تعریف میں بنیادی کوتاہی یہ ہے کہ اسے دیوانی ضرر کے بجائے مملکت اور معاشرہ کے خلاف جرم تعبیر کر کے شدید مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ اس طرح مملکت کو جرم کے خلاف مدعی کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ جسٹس کارنیلیس کے مطابق:

"میرے خیال میں برطانوی انصاف کے تصور میں غلطی یہ ہے کہ معمول کے جرائم کو تفتیش اور سماعت میں مملکت کی ایجنسیوں کے دائرۂ کار کے تحت لانے میں زیادتی ہوئی ہے"۔(۲)

اس طرح ہر جرم پولیس اور عدالت کے دائرۂ کار میں آگیا۔ حالانکہ ان کے بقول:

"بے شمار معاملات میں پولیس اور مجسٹریٹ کی مداخلت سے احتراز کیا جا سکتا ہے۔ ہمارے مخصوص حالات کے پیش نظر معاملات کو مملکت کی سطح کے بجائے مقامی طور پر طے کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے زیادہ کا اثر محدود علاقہ تک ہوتا ہے۔ اس طرح معاملات طے کرنے کا یہ انداز زیادہ موثر ہے"۔(۳)

وجہ یہ ہے کہ "ہمارے وطن میں جرائم کا ارتکاب عموماً عام جذبات کے تحت ہوتا ہے"۔(۴)

"جہاں بڑے جرائم۔۔۔ قتل، اغوا، مویشیوں کی چوری اور رہزنی وغیرہ کا ارتکاب خاندانی دشمنی اور عزت و وقار کی خاطر ہوتا ہے۔ جہاں آبادیوں کی نوعیت یہ ہے چھوٹی چھوٹی بستیاں لمبی مسافتوں پر منتشر صورت میں واقع ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ان پر قبائل اور برادریوں کے اپنے موثر چودراہٹیں اور سرداریاں قائم ہیں۔ وہاں پولیس کے لیے کسی رپورٹ شدہ جرم کی تفتیش میں قانونی معیار پر پورا اترنے والے شواہد اکٹھا کرنا بے حد مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ دیہات میں آبادیوں کا اپنا انتظام موجود ہے کہ جس میں عموماً جرم کی شناخت کے بارے میں مقامی اطلاع مکمل اور درست ہوتی ہے"۔(۵)

"موجودہ نظام کے بارے میں یہ کہنا درست ہے کہ ہر فوجداری کیس کا فیصلہ اسی نوعیت کے نئے مقدمات کو جنم دینے کا باعث بنتا ہے۔ عدالتیں کھلی عدالت میں پیش ہونے والی شہادت پر انحصار کرتی ہیں جو حلف پر لی جاتی ہے۔ حالانکہ اس حلف کی کوئی وقعت نہیں۔ علاوہ ازیں وہ شہادت کے ایسے گئے معیار اختیار کرتی ہیں جن میں بعض حقیقت معلوم کرنے کے لیے بڑے اہم ہوتے ہیں مگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا نتیجہ بہرحال قصورواروں کی برّیت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ ایسے مقدمات کی بھی بڑی تعداد ہے، جن میں بے گناہ سزائے موت تک پا جاتے ہیں۔ قصور وار کی برّیت یا بے گناہ کی سزایابی، دونوں صورتیں 'انتقام اور دشمنی کے بیج بو دیتی ہیں'۔" (۶)

فوج داری نظام --- جسٹس کارنیلیس کے نزدیک

"ملزم کو بہرصورت بے گناہ تصور کیا جاتا ہے۔ جملہ قیاسات کو اسی کے کھاتے میں ڈالا جاتا ہے۔ اور تمام تر بارِ ثبوت، جو کہ اعلیٰ ترین فنی ضوابط کے ماتحت جانچ کر قبول کیا جاتا ہے، استغاثہ کے ذمہ ہوتا ہے"۔ (۷)

"یہ طریق کار، موجودہ فوج داری قانون کو جرم کے خاتمے میں ناکام بنا دیتا ہے۔ ان حالات میں یہ سوچنا پڑتا ہے کہ فراہمی انصاف کا فرض لوگوں کے ہاتھ میں کیوں نہ دے دیا جائے"۔ (۸)

مقامی طور پر مقدمات کے تعین کے حق میں وہ لکھتے ہیں:

"مقامی طور پر زیادہ اہم بات یہ ہے کہ امن اور سکون قائم رہے۔ اس کے لیے اکثر مقدمات میں سزاؤں کی وجہ سمجھ میں آسکتی ہے۔ اس بارے میں قانونی اور فنی ضوابط کا بہت زیادہ لحاظ کرنے کے بجائے 'ملزم کی کوتاہی کا تعین' اسے مائل بہ اصلاح کرنے کی صورت گری 'مقامی امن و سکون کی بحالی' اور ستم رسیدہ کی داد رسی کا زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے"۔ (۹)

"یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ 'مقامی طور پر' ستم رسیدہ شخص کی داد رسی کو ملزم کی سزایابی کے مقابلے میں ترجیح دی جاتی ہے، جبکہ قانون اپنے سارے عمل کو ملزم کے خلاف مرکوز کر دیتا ہے۔ متاثرہ شخص کو معاوضہ دلائے جانے کا تو وہاں کوئی تصور ہی نہیں، جب کہ مقامی رواج جرم کو عموماً دیوانی نوعیت کا ضرر خیال کرتا ہے"۔ (۱۰)

معاشرہ کی روایات اور مُسلَّمہ اصولوں کے مطابق عدل و انصاف کرنے کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

"اس مرحلے پر یہ بات طے طلب ہے کہ رواج کب، کیسے اور کس درجہ میں قانون کو راہ دے۔ یہ فیصلہ ہمیں خود ہی کرنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس بارے میں مروجہ ضوابطِ قانون کی پیروی ضروری نہیں۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ قانون کسی بھی سوسائٹی کے اندر سے جنم لیتا ہے۔ فی الواقع یہ سوسائٹی کی شخصیت عامہ کا اظہار ہے۔ ایک سوسائٹی کے اصولوں کا اس سے مختلف سوسائٹی پر اطلاق مہلک نتائج کا پیش خیمہ ہو گا۔ مقامی عدالت کبھی جرم میں مبالغہ آمیزی نہیں کرے گی، بلکہ وہ اسے مناسب حد تک محدود رکھے گی"۔ (۱۱)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"ہر کوئی جانتا ہے کہ وسطی ممالک اور مشرق وسطیٰ سے باہر زیادہ تر مسلم ممالک میں خاندانی دشمنیوں کے نتیجے میں ہونے والے جرائم کا تصفیہ ایک فریق کی جانب سے دوسرے فریق کو ونڈے میں لڑکی کا رشتہ دے کر کیا جاتا ہے۔ اس سے اس بات کی نشان دہی ہوتی ہے کہ روایتی انداز میں زندگی بسر کرنے والے معاشرے سوسائٹی میں متحارب گروہوں کے عناد کو ہوا دینے کے بجائے کم کر کے توازن کی صورت دینے کو اہمیت دیتے ہیں"۔ (۱۲)

عہد حاضر کے قانونی نظام میں قید کی سزا بھی جرائم میں کمی کے بجائے افزائش کا موجب ہے۔ جیلوں کو اصلاح و تربیت کے مقصد کے تحت قائم کیا جاتا ہے، مگر وہ جرائم کی تربیت کا ذریعہ بن گئی ہیں۔ جیل میں نوگرفتاروں کو تجربہ کار استاد میسر آجاتے ہیں۔ جیل مجرم کو معاشرے سے کاٹ کر، اور معاشرتی، باؤ سے آزاد کر کے تجربہ کار مجرموں کی ہمہ وقتی تحویل میں دے دیتی ہے، جن کے ساتھ وہ شب و روز گزارتا ہے۔ اگر جیل کے بجائے وہ معاشرے میں رہے، جہاں جرم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو اس کی اصلاح کے امکانات زیادہ ہو سکتے ہیں۔ جیل جاکر اصلاح کے یہ امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ ایسی کوئی مثال حوالے کے لیے بھی مشکل ہی سے پیش کی جا سکتی ہے کہ کوئی شخص جیل سے سدھر کر نکلا ہو۔ اس لحاظ سے اتنا بھاری بھرکم ادارہ جیسا کہ جیل کا ادارہ ہے، مکمل طور پر بیکار ثابت ہوا ہے۔ کارنیلیس کے الفاظ میں:

"آج ایسا دور ہے کہ دنیا بھر میں عام آدمی کا اپنے روز مرہ اخراجات حاصل کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ ارتکاب جرم کے "صلہ" میں قید کی شکل میں اعلیٰ ترین سہولیات کا حصول ارتکاب جرم کا محرک بن گیا ہے۔ اگرچہ یہ کہنا کہ قیدی کی سزا جرم کی حوصلہ شکنی کے لحاظ سے مکمل طور پر بیکار ہو گئی ہے، کچھ مبالغہ ہو گا۔ مگر اس کے باوجود ہین آدمی کی طرف سے یہ مطالبہ کہ اسے جیلوں پر اٹھنے والے بے پناہ اخراجات کے بوجھ سے سبک دوش کر دیا جائے، بالکل بجا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جیلیں جرائم کو روک نہیں سکتیں، تو اتنے سارے اخراجات ثابت شدہ سماج دشمنوں کی آسائش کے لیے تو نہیں کیے جا سکتے۔

اس لیے اس سے کہیں کم خرچ اور موثر سزائیں اگر موجود ہوں تو ان کو اختیار نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ جو پاکستانی بھی سعودی عرب گیا ہے وہ اس ملک میں امن و سلامتی کے اعلیٰ ترین معیار سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہر جانے والا اس ذکر سے نہیں تھکتا کہ چوری کے لیے قطع ید کی سزا، جو فوری طور پر سرعام نافذ کر دی جاتی ہے، جرم کے مکمل سدباب کا باعث ہوئی ہے۔ حالانکہ اس کا نفاذ بہت ہی کم مقدمات میں کیا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"بہت سے جرائم تشدد کے لحاظ سے سماج دشمن نوعیت کے ہیں۔ ان کا سدباب بھی اسی طریقہ سے کیا جا سکتا ہے۔ جیسے ڈکیتی' جس میں پانچ یا اس سے زیادہ افراد شریک ہوں' اور ارتکاب جرم کے لیے تشدد کے ساتھ ساتھ رات کا وقت منتخب کیا گیا ہو' جبکہ لوگ دور دراز آبادیوں میں سکون کی نیند سو رہے ہوں اور جو اکثر و بیشتر واردات قتل پر منتج ہوتی ہے"۔

"موجودہ ترقی یافتہ دور میں یہ ضروری نہیں کہ یہ مقصد پاؤں کاٹ کر ہی حاصل کیا جا سکے۔ طب اس قدر ترقی کر چکی ہے کہ مجرم کو معمولی جراحت کے نتیجے میں ہاتھ یا پورے بازو کے استعمال سے محروم کیا جا سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ محرومی بغیر جراحت کے بھی ممکن ہے' اور اس کا انتہائی دورانیہ بھی مقرر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر جراحت کرنا پڑے تو بھی جنگ میں معذور ہونے والے افراد کی بحالی کے تجربات ایسے افراد کی اصلاح کے بعد بحالی کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ بہرحال سزا پانے والا مکمل معذور ہونے کے بجائے کسی درجہ میں تو اپنے معمولات انجام دے سکے گا۔ لیکن اگر نافذ شدہ معذوری مکمل بھی ہو تب بھی یہ محض قید کی سزا کے مقابلے پر بہتر ہوگی۔ شعور عام مناسب مقدمات میں موت تک کی سزا کا مقتضی رہا ہے۔ سوسائٹی کے تحفظ کے لیے معذوری جیسی مناسب اور منصفانہ سزا اس کے لیے مشکل ہی سے ناگوار ہوگی۔ جبکہ یہ سزا بعض اقسام کے جرائم کے خاتمے کا موجب ہو گی"۔(۱۳)

"مجھے معلوم ہے کہ سزا کا معاملہ بہت سے حلقوں میں غور و فکر کا موضوع بنا ہوا ہے۔ اس مرحلہ میں میری گزارشات بر موقع ہو سکتی ہیں۔ بہرکیف میرا پختہ یقین ہے کہ سزائے قید کے عالمی سطح پر رائج ہونے کے باوجود یہ جرم کے سدباب اور معاشرے کے مفادات کے تحفظ میں موثر ہے اور نہ ہی معقول"۔(۱۴)

لہٰذا ارتکاب جرم کی پُرتشدد کاوشوں کے سدباب کے لیے ہاتھ' بازو یا ٹانگ کو مصنوعی طور پر بیکار بنانے کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہ سزائیں اپنے انذاری اثرات کے لحاظ سے جرائم کا قلع قمع کرنے میں انتہائی موثر ہیں۔ عادی اور پختہ کار مجرم جو اپنی سماج دشمنی میں تشدد کو بھرپور طور پر بروئے کار لاتے ہوں' یہ سزائیں ان کے لیے ہیں۔ ان سزاؤں کو بعض لوگ' خصوصاً افریقی ممالک کے قانون دان' دورِ ظلمت کی طرف مراجعت قرار دیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اہل افریقہ اپنے طویل اور خاص پس منظر کے تحت ایسا سوچ سکتے ہوں۔ اس کے باوجود مجھے ارباب فکر نے اس بارے میں میری گزارشات کو قابل غور گردانا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ گذشتہ ڈیڑھ صدی کے تجربے نے ثابت کر دیا ہے کہ قید کی سزا اوپر ذکر کردہ جرائم میں [illegible] ہے نہ اصلاحی' اور نہ ہی یہ قصاصی اثر رکھتی ہے"۔(۱۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اس مرحلہ پر میں یہ سوال پوچھتا ہوں کہ تحریروں اور دستخطوں کے ماہر جعل ساز کے لیے قید کی سزا کس طرح مناسب ہو سکتی ہے؟ وہ قید میں رہتے ہوئے اپنا کاروبار جاری رکھ سکتا ہے۔ کیا یہ مناسب نہیں ایسے مجرموں کے ہاتھ کا عمدہ توازن مستقل یا عارضی طور پر معمولی جراحت سے ختم کر دیا جائے۔ یہی معاملہ جیب تراش کا ہے"۔(۱۶)

عدالتی طریقِ کار

انگلینڈ اور ویلز میں جرائم میں اضافے کی شرح ۵ سے ۱۲ فی صد ہے۔ جرائم کے بارے میں سروے رپورٹوں کے مطابق، نیویارک میں ایک سال کے دوران ۹۳ ہزار وارداتیں ہوتی ہیں۔ اتنے ہی عرصے میں چوری کی پونے دو لاکھ وارداتوں کو ریکارڈ پر لایا گیا ہے۔ یہ کیفیت ان انتہائی متمول معاشروں کی ہے جہاں قانون کا بھرپور احترام بھی پایا جاتا ہے۔

ماہرینِ قانون کی سڈنی کے مقام پر منعقدہ کانفرنس میں انگلینڈ کے ڈائریکٹر پبلک پراسیکوشن، مسٹر سکلبرن نے اپنے مقالے میں کہا:

"تمام قانونی ضوابط بے گناہ کو سزا یابی کے امکان سے تحفظ کے لیے بنائے گئے ہیں مگر اس کا نتیجہ یہ ہے کہ میزان کا پلڑا مشتبہ یا ملزم کے حق میں جھکا ہوا ہے۔ کوئی شخص اپنے آپ کو سزاوار ظاہر کرنے کا مکلف نہیں۔ اس اصول کے اطلاق میں مبالغہ جرائم کے خلاف جنگ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ ایسا ملزم جو تفتیش یا سماعت میں کسی سوال کے جواب سے انکار یا گریز کرے، عدالت کو اس کے خلاف قیاس کرنے کا اختیار ہونا چاہیے"۔(۱۷)

اس سیاق و سباق میں جسٹس کارنیلیس دو اسلامی اصول ہائے قانون کا حوالہ دیتے ہیں:

"میں اس مرحلے میں مسلم اصولِ قانون کے دو مسلّمہ قواعد کا حوالہ پیش کروں گا جو صورتِ حال کا بہترین حل ہیں۔ پہلا قاعدہ یہ ہے کہ بارِ ثبوت مدعی پر ہے، اور حلف ملزم پر۔ دوسرا قاعدہ یہ کہ جو کوئی اعترافِ قصور کر لے اس کے ساتھ سزا میں نرمی برتی جائے گی۔ کامن لا میں ملزم حقائق کی جستجو میں معاونت سے مکمل طور پر مبرا ہے"۔(۱۸)

کتنا فرق ہے دو مختلف نظام ہائے قانون کا۔ کامن لا ملزم کو تفتیش میں اعانت سے استثنیٰ دے دیتا ہے مگر مسلم شہری عقوبتِ اُخروی سے نجات کے لیے رضاکارانہ اعتراف پر اصرار کر کے سنگ ساری جیسی سزا خوشی سے قبول کرتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالے

1- PLD 1965 JOURNAL 149 P 162.
2- -------------- do -------------- P 159
3- -------------- do -------------- P 160
4- PLD 1966 JOURNAL 82 P 83
5- PLD 1975 JOURNAL 49 P 157
6- -------------- do -------------- P 157
7- -------------- do -------------- P 158
8- PLD 1966 JOURNAL 82 P 66
9- PLD 1965 JOURNAL 149 P 159
10- -------------- do -------------- P 159
11- -------------- do -------------- P 159
12- -------------- do -------------- P 160
13- -------------- do -------------- P 161
14- -------------- do -------------- P 162
15- PLD 1966 JOURNAL 82 P 8384
16- -------------- do -------------- P 84
17- -------------- do -------------- 85
18- -------------- do -------------- 85

پیارے بچوں کے لیے دو خوبصورت کتابیں

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ـ حضرت عثمان غنی رضؓ

طالب ہاشمی

☆ نہایت آسان اور عام فہم انداز تحریر
☆ بچوں کی تربیت کے لئے نہایت مفید
☆ خوبصورت ٹائیٹل
☆ کمپیوٹر کمپوزنگ

البدر پبلی کیشنز 23- راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور- 54000

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نظامِ حیات

صنعتی تعلقات کا اسلامی ماڈل

مفتی محمد رفیع عثمانی

اس وقت پوری دنیا دوراہے پر کھڑی ہوئی ہے۔ سوشلسٹ نظام دم توڑ چکا ہے، اور سرمایہ داری نظام، پوری انسانیت پر اژدھا بن کر دندنا رہا ہے۔ دنیا کی نظریں کسی ایسے نظام کو تلاش کر رہی ہیں جو اس اژدہے سے انسانیت کا تحفظ کر سکے۔ اس موقع پر اُمتِ مسلمہ کی عموماً اور مسلمان دانشوروں اور علمائے دین کی خصوصاً یہ بڑی بھاری ذمہ داری ہے کہ اسلام کے اس دعویٰ کا اپنی تحقیقات اور اپنے کردار سے ثبوت پیش کریں کہ وہ زندگی کے تمام مسائل کا بے نظیر حل اپنے پاس رکھتا ہے۔

اجتماعی زندگی کا ایک اہم دائرہ صنعتی تعلقات کا ہے، جس کے کسی ملک کی معیشت پر گہرے اثرات ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں ہمیں واضح اسلامی ہدایات ملتی ہیں۔ یہاں اس کے اسلامی ماڈل کے حوالے سے چند معروضات پیش کی جارہی ہیں۔

آجر اور مستاجر کے درمیان تعلقات کی جو نوعیت اس زمانے میں ہوگئی ہے، عہدِ رسالت میں یہ حالات ہی نہیں تھے کہ ان کے بارے میں جزوی اور متعین احکام قرآن و سنت میں بیان کیے جاتے۔ لیکن قرآن یہ کہتا ہے کہ تِبیَانٌ لِکُلِّ شَیْئٍ ' وہ ہر چیز بیان کرتا ہے۔ یعنی 'قیامت تک جتنے مسائل انسانیت کو پیش آسکتے ہیں' ان سب کے اصول اس قرآن میں ملیں گے۔ کہیں وہ اشارے کے طور پر ملیں گے اور کہیں اشارے سے بھی کم صرف ایک روح کے انداز میں ملیں گے، لیکن ملیں گے ضرور۔ ان کی مزید تفصیلات احادیث میں آتی ہیں۔ الحمدللہ، ہمارے پاس ایسا ذخیرہ موجود ہے کہ تھوڑے سے غور و فکر کے بعد ہم ان مسائل کے تفصیلی احکام مدون کر سکتے ہیں اور پیش کر سکتے ہیں۔

اللہ کے سامنے یکساں جواب دہی

سرمایہ داری یا سوشلسٹ نظام دونوں کی اصل یہ ہے کہ انسان بھی ایک جانور ہے اور جب یہ مر

© rasailojaraid.com